IL 03

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

ایک ہی راستہ: جدوجہد

قاضی حسین احمد

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "کما تکونون یومر علیکم" (رواہ البیھقی) جس طرح کے تم لوگ ہو گے اسی طرح کے تم پر امرا (حکام) مقرر کیے جائیں گے۔ حاشیہ مشکوٰۃ شریف میں اس مفہوم کی ایک اور حدیث نقل کی گئی ہے کہ "اعمالکم عمالکم" تمھارے اعمال (کے مطابق) ہی تمھارے حکمران ہوں گے۔ دوسری حدیث اگرچہ سند کے لحاظ سے کچھ کمزور ہے لیکن مفہوم و مضمون کے اعتبار سے دونوں احادیث یکساں صحیح اور سنت الٰہی کے عین مطابق ہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حکومت کے قیام کی ذمہ داری لوگوں پر چھوڑی ہے۔ جس طرح کے لوگ ہوں گے وہ اسی طرح کی اپنی حکومت قائم کر لیں گے۔

اس حدیث سے چند حقائق واضح ہو کر سامنے آتے ہیں:

(۱) حکومتیں معاشرے کا عکس ہوتی ہیں۔ معاشرہ اچھا ہو گا تو اپنی حکومت بھی اچھی بنائے گا۔ صحابہ کرامؓ پر مشتمل معاشرہ اپنے لیے خلفائے راشدین کا انتخاب کرے گا۔ معاشرہ بدتر ہو گا تو پھر زبان خلق بھی کہے گی کہ "شامت اعمال ماصورت نادر گرفت"۔

(۲) معاشرہ بھی حکومتوں کا عکس ہوتا ہے۔ اچھی حکومت اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ اس معاشرے میں ایسے لوگ اور گروہ بستے ہیں جو اچھی حکومتیں قائم کر رہے ہیں' حکومت پر نظر رکھتے ہیں اور اگر اس میں خرابیاں دکھائی دیں تو فوراً اس کو بدلنے کی جدوجہد اور سعی کرتے ہیں اور اچھی حکومت قائم کر دیتے ہیں تاکہ بری حکومت کے باعث معاشرہ بھی برا نہ ہو جائے کہ "جیسا راجا ویسی پرجا"۔

(۳) اچھی حکومت کے قیام اور بری حکومت کے زوال اور خاتمے کی جدوجہد عین عبادت اور لازمی فریضہ ہے۔ حکومت سازی کا کام مکروہ سیاست نہیں بلکہ دین کا عین تقاضا ہے۔ کیونکہ دین صرف زبانی تبلیغ و تلقین یا صرف ذاتی اوراد و وظائف کا نام نہیں بلکہ اقامت شرع مبین کی ایک ہمہ گیر و ہمہ جہت تحریک

ہے۔ رسول اکرمؐ نے اسی ہمہ جہت تحریک کے ذریعے جزیرہ العرب میں اسلامی مملکت قائم کی۔ آپ نے اللہ کی رضا اور فلاح اخروی کو اپنا مقصد و ہدف جانا اور پھر اسی کی طرف لوگوں کو بلایا۔ جن لوگوں نے دعوت قبول کرلی ان کا تزکیہ کیا، تربیت کی، انھیں منظم کیا، کتاب و حکمت کی تعلیم دی، سمع و اطاعت اور مشاورت کا نظام قائم کیا، صحابہ کرامؓ کے اس برگزیدہ اور منتخب گروہ کے ذریعے اصلاح معاشرہ کا کام کیا اور پھر اصلاح حکومت کے ذریعے دین اسلام کا مکمل نظام نافذ و غالب کر دیا۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ "هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ" (الجمعہ ۶۲:۲) وہی ہے جس نے امیوں کے اندر ایک رسول خود انھی میں سے اٹھایا، جو انھیں اس کی آیات سناتا ہے، ان کی زندگی سنوارتا ہے، اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، حالاں کہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔ اور فرمایا "هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ" (الصف ۶۱:۹) وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے پورے کے پورے دین پر غالب کر دے، خواہ مشرکین کو یہ کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔

رسول کریمؐ جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو وہ کتاب و سنت بھی چھوڑ گئے اور اس کے نفاذ کے لیے اسلامی حکومت بھی۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ بھی اسی لیے خلیفہ رسول اللہؐ کہلائے کہ ان کے پاس اقتدار کی امانت بھی تھی ورنہ قرآن و سنت تو بہت سارے صحابہؓ کے پاس تھے۔ ان میں سے خلفائے راشدین صرف وہی چار ہستیاں کہلائیں جنھوں نے آں حضورؐ کی قائم کردہ اسلامی حکومت کا نظم و نسق سنبھالا۔ وہ تلوار اور قرآن دونوں کے حامل تھے۔

ایں دو قوت حافظ یک دیگر اند   کائنات زندگی را محور اند
مومناں را تیغ باقرآں بس است   تربت ما را ہمیں ساماں بس است

(یہ دونوں قوتیں ایک دوسرے کی محافظ ہیں۔ زندگی کی کائنات کا محور ہیں۔ مومنین کے لیے قرآن کے ساتھ تلوار (اقتدار) کافی ہے۔ ہماری قبر کے لیے یہی سامان کافی ہے)۔

یہ اسلامی خلافت صدیوں تک عالمی قیادت و سیادت کے منصب پر فائز رہی، اس دوران عروج و ضعف کے مختلف ادوار آئے لیکن مجموعی عالمی قیادت مسلم امت کے ہاتھ میں ہی رہی۔ پھر معاشرے کے عمومی انحطاط، علم سے بے رغبتی اور علما کے جمود کے باعث سیکڑوں سال تک انسانیت کی رہنمائی کرنے والی امت خود استعمار کے شکنجے میں پھنس گئی۔ مغربی استعمار نے عالمی قیادت سنبھالی اور اس کے کارندوں نے مسلمانوں کے معاشرتی ڈھانچے اور ان کے عقائد کا قریب سے گہرا مطالعہ کرتے ہوئے ان کو مستقل زیر رکھنے کا عمل

منصوبہ بنا لیا۔ اس منصوبے کے خدوخال مختلف مغربی دانش وروں کی کتب میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ مثال کے طور ہنٹر (Hunter) کی کتاب Our Indian Musalmans کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ انگریزوں نے یہاں آنے کے کچھ ہی عرصے بعد یہ جان لیا تھا کہ دین اسلام کی سمجھ رکھنے والے اور قرآن کریم کا موثر ہتھیار رکھنے والے مسلمان کبھی بھی اللہ کے سوا کسی کی غلامی قبول نہیں کریں گے۔ ہنٹر نے اعتراف کیا ہے کہ جن مسلمانوں نے بھی انگریزوں کا ساتھ دیا وہ ضمیر کی خلش میں مبتلا رہے اور ہر لمحے غلامی کے اس عارضی شکنجے کو توڑنے کی کوشش میں لگے رہے۔

اس صورت حال کو جان کر انھوں نے ایک ایسا نظام تعلیم و قانون وضع کیا جس کے ذریعے وہ خود مسلمانوں میں ایسے لیڈر پیدا کر دیں جو نام و نسب کے اعتبار سے تو مسلمان ہوں لیکن تہذیب و سوچ کے لحاظ سے یورپی اقوام کے غلام ہوں۔ انگریزوں، فرانسیسیوں، اطالویوں، ولندیزیوں سب نے اپنے اپنے طریقے سے یہ کام کیا، لیکن نسخہ ہر جگہ ایک ہی تھا: غیر ملکی استعمار کی تربیت یافتہ نسل پیدا کرنا۔ جب یہ نسل سن رشد کو پہنچی تو استعمار کے خلاف چنگاریاں شعلوں میں بدل رہی تھیں۔ اس موقع پر استعمار آہستہ آہستہ رخصت ہوا اور اپنی تربیت کردہ نسل کو مسلمانوں کی سیاسی و انتظامی قیادت پر فائز کرتے ہوئے انھیں اپنا جانشین بنا گیا تا کہ اس کی عدم موجودگی میں بھی اس کے مفادات پورے ہوتے ہیں۔ دور حاضر میں مسلم دنیا کے تقریباً تمام ممالک اسی مغربی تربیت یافتہ نسل کے تسلط میں ہیں۔ یہ حکمران مغربی استعمار کے تمام مقاصد بخیر و خوبی انجام دے رہے ہیں اس لیے وہ ان کی نگہداری بھی کرتا ہے۔ ان میں سے کسی کو بھی کہیں کوئی خطرہ درپیش ہوتا ہے تو وہ فوراً مدد کے لیے لپکتا ہے۔ اس ضمن میں سب سے واضح مثال الجزائر کی ہے کہ جب خود مغرب کے متعارف کردہ جمہوری طریقے پر چلتے ہوئے وہاں کے عوام نے فرانسیسی استعمار کے مہروں کو مسترد کر دیا تو یورپین اقوام نے براہ راست مداخلت کرتے ہوئے وہاں ایک بدترین ڈکٹیٹر شپ مسلط کر دی۔

پاکستان میں بھی طویل عرصے سے ایک ایسا کرپٹ اور فاسد گروہ قیادت پر فائز ہے جو پاکستان اور پاکستانی قوم کے مفادات سے زیادہ استعماری مفادات کا رکھوالا ہے۔ اس گروہ کی اکثریت روایتی جاگیردار اور سرمایہ دار طبقے سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ اپنے چاروں طرف پھیلی غربت، افلاس، بیماری اور جہالت کو دیکھ کر شرم محسوس نہیں کرتے بلکہ اس ماحول میں خود کو بالاتر سمجھ کر فخر محسوس کرتے ہیں۔ لوگوں کو بے خبر رکھنا، ان میں غلامانہ ذہنیت پیدا کرنا، انھیں احساس کمتری میں مبتلا رکھنا اور انھیں اپنی گرفت میں جکڑے رکھنا اس گروہ کی نفسیات کا حصہ ہے۔ وہ کسی ایسے مہذب و شائستہ معاشرے کا تصور نہیں رکھتے جس میں پورا معاشرہ ترقی کرے اور وہ خود اس مہذب و ترقی یافتہ معاشرے میں ایک ممتاز شہری کی حیثیت سے زندگی گزاریں اور اپنے بلند کردار اور خدمت کے ذریعے اپنے لیے عزت کا مقام بنائیں۔

اس گروہ کے لوگ جب اپنے سرمائے، جبر اور دھوکہ دہی سے ملک کے اعلیٰ ایوانوں اور پارلیمنٹ میں پہنچ جاتے ہیں تو وہاں بھی ان کا طور طریقہ یہی رہتا ہے۔ پھر وہ پوری قوم کے ساتھ وہی کچھ کرتے ہیں جو جاگیردار اپنے علاقے میں اپنے مزارعین اور کمیوں کے ساتھ کرتے ہیں۔

اس صورت حال میں اصلاح کا راستہ صرف یہی ہے کہ اس مقتدر طبقے کو اسلام کی حقیقی تعلیمات سے روشناس کرایا جائے اور ساتھ ہی ساتھ غریب عوام پر مشتمل اکثریت میں بیداری اور عزت نفس پیدا کی جائے۔ انھیں ظالم کے خلاف پرعزم اور مسلسل جدوجہد پر ابھارا جائے۔ یہی آں حضور نبی کریمؐ کا طریقہ ہے۔ پسے ہوئے مظلوم انسانوں کو صرف ایک اللہ کے سامنے سر جھکانے کی تعلیم دینا، انھیں غیراللہ کی غلامی سے آزاد اور بے خوف کرنا اور اسلامی اخلاق عالیہ سے منور ہو کر آزادی و ترقی کے لیے مسلسل جدوجہد پر آمادہ کرنا، ساتھ ہی ساتھ مقتدر طبقے میں بھی خوف خدا پیدا کرنے کی کوشش کرنا اور انھیں یہ باور کرانا کہ صحیح اسلامی معاشرے میں ان کے لیے عزت کا مقام ہو گا کہ خیارکم فی الجاھلیہ خیارکم فی الاسلام اذا فقھوا "تم سے جو لوگ جاہلیت میں سب سے بڑے ہیں وہ اسلام قبول کرنے کے بعد بھی سب سے بہتر ہوں گے، اگر وہ دین کا شعور حاصل کر لیں"۔

اس تصور دین کو حرز جاں بنا کر رضائے الٰہی اور فلاح اخروی کو اپنا مقصد و ہدف بنا کر مختلف ادوار میں صاحب عزیمت علما، مجاہدین اور مصلحین نے دنیا کے مختلف خطوں میں شاندار تحریکیں برپا کیں۔ اسی تصور کے مطابق سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور حسن البناء شہیدؒ نے دور حاضر کی دو عظیم جماعتیں منظم کیں جو پوری دنیا میں اسلامی تحریک کی بنیاد بنیں۔ اسلامی تحریک کی اس لہر کو مغرب نے فنڈامنٹلزم کا نام دیا ہے۔ یہ اصطلاح انھی لوگوں کے لیے استعمال کی جاتی ہے جو پورے انسانی کنبے کی فلاح کے لیے اسلام کا نظام عدل ناگزیر سمجھتی ہے اور اس نظام کے قیام کی ہر ممکنہ جدوجہد کو اللہ کی رضا کا ذریعہ سمجھتی ہے۔

اس تحریک کے راستے میں لاتعداد رکاوٹیں درپیش آئیں اور اب بھی آ رہی ہیں۔ دین سے بے خبری، دین کا غلط تصور، عام ناخواندگی، تعلیم کا فقدان، معاشرے میں ہندو تہذیب کے اثرات، رسہ گیروں اور بداخلاق زمینداروں کی جکڑ بندیاں، تفرقہ بندیاں اور فرقے بازیاں، مادی عیش و عشرت کو زندگی کا مقصد سمجھنا اور پھر اپنی تمام صلاحیتوں، وسائل اور اوقات کو اسی عیش و عشرت کے حصول کے لیے وقف کر دینا، یہ وہ بڑی بڑی رکاوٹیں ہیں جو خود معاشرے کے اندر سے جنم لے رہی ہیں۔ اس کے علاوہ عالمی سازشیں، اسلام دشمن قوتوں کی مہلک چالیں، عالمی اداروں کی خبیث جونکیں جو اسلامی دنیا کو بری طرح چوس رہی ہیں، استعماری قوتوں کے ہاتھ میں، اپنے تربیت یافتہ حکمرانوں کے بعد دوسرا بڑا ہتھیار ہیں۔ اس دور کا موثر ترین ہتھیار، ابلاغ عامہ --- ریڈیو، ٹیلی ویژن، ویڈیو اور اخبار و رسائل --- بھی عالمی استعمار اور ان کے ایجنٹوں کے ہاتھ میں ہے۔

ان رکاوٹوں کے خاتمے کے لیے راستہ صرف یہی ہے: مقتدر طبقے کی اصلاح کی کوشش اور عوام میں دین کا حقیقی شعور پیدا کرنا۔ اس کے لیے محراب و منبر اور مسجد ہمارے ہاتھ میں موثر ترین ہتھیار ہے۔ ضروری ہے کہ عوام کی تعلیم و تربیت کے لیے مختلف وسائل اپنائے جائیں' زبانی تعلیم' لٹریچر کی تقسیم' موثر اشتہارات کی اشاعت' آڈیو اور ویڈیو ٹیکنالوجی سے استفادہ کیا جائے' خطبہ ہائے جمعہ' دروس قرآن' بڑے بڑے جلسہ ہائے عام اور دوسرے ذرائع سے لوگوں میں بیداری پیدا کی جائے' انھیں ظلم اور ظالموں کے خلاف کھڑا کیا جائے' ان کی عزت نفس بحال کی جائے اور انھیں مسلسل تحرک میں رکھا جائے۔

یہ طریقہ ہجومی سیاست نہیں' بلکہ آں حضورؐ کی سنت ہے۔ آپؐ نے حجتہ الوداع کے موقع پر جزیرہ العرب کی تقریباً پوری آبادی میں جو افراد بھی قابل سفر تھے' ان کو عرفات میں جمع کر لیا اور انھیں دین کی تعلیمات سے آگاہ کرتے ہوئے ظلم کی قوتوں کے خلاف مجتمع کر دیا۔

پاکستان میں بھی اسی تحرک اور تحریک کے ذریعے ظلم کے شکنجے کو توڑا جا سکتا ہے اور استعمار کے مسلط کردہ ٹولے اور نظام سے خلاصی حاصل کی جا سکتی ہے۔

خوش قسمتی سے پاکستان کا دستور ایسا ہے جو اصلاح کا آئینی راستہ کھولتا ہے۔ دستور کی دفعہ ۶۲ موجود ہے جو ہر امیدوار اور حکمران کے لیے یہ شرائط عائد کرتی ہے کہ وہ امین ہو' فرائض ادا کرنے اور کبائر سے اجتناب کرنے والا ہو' اچھی شہرت کا مالک ہو اور اس نے ملکی خزانہ نہ لوٹا ہو۔

اس آئینی راستے پر کوئی چلتا کیوں نہیں اور دستور کی پابندی کیوں نہیں ہوتی؟ صرف اس لیے کہ کوئی اس کا والی وارث نہیں ہے۔ صدر مملکت اپنے اختیارات کم ہونے پر تو واویلا مچاتے ہیں' وزیراعظم اور عدلیہ اپنے اپنے اختیارات پر تو اصرار کرتے ہیں' وفاق اور صوبے اپنے اختیارات کے حصول پر تو مصر ہوتے ہیں لیکن دستور کی جو اسلامی دفعات ہیں ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہے' بلکہ اس کی مخالفت کی جاتی ہے کیونکہ اس کی زد خود لٹیروں اور ظالموں پر پڑتی ہے۔ جب تک ایک عوامی تحریک اور عوامی دباؤ کے ذریعے ان دفعات کی پشتیبانی نہیں کی جاتی' ان کا نفاذ یقینی نہیں بنایا جاتا' تب تک مثبت نتائج حاصل نہیں کیے جا سکتے۔

---

۲۴ جون ۹۶ سے شروع ہونے والی تحریک نے' جو بے نظیر حکومت کے گرنے تک جاری رہی' ثابت کر دیا ہے کہ جماعت اسلامی پاکستان کی سب سے بڑی منظم قوت ہے۔ اس کے پاس مخلص اور قربانی کے جذبے سے سرشار کارکنوں کی بڑی تعداد ہے۔ وہ ملک کے ہر حصے اور ہر طبقے میں موجود ہے۔ وہ ظلم کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن سکتی ہے' وہ اپنی پوری قوت کے ساتھ منظم جدوجہد کے لیے میدان میں نکل آئے تو ظالم سے ظالم حکومت بھی مفلوج ہو کر رہ جاتی ہے۔ جماعت وہ تحریک ہے جس کے لیے عوام دیدہ و دل فرش راہ کر دیتے ہیں۔ ۲۴ جون اور ۷' ۲۸ اکتوبر کو راولپنڈی اور اسلام آباد کے شہریوں نے پولیس کے ہر

طرح کے مظالم اور آنسو اور سانس گھونٹ دینے والی گیس کی شدت برداشت کرتے ہوئے ہمارے کارکنوں کا ساتھ دیا۔ کراچی میں ہماری پکار پر لاکھوں مرد و خواتین، بوڑھے، جوان اور بچے سڑکوں پر نکل آئے۔ ملک کے مختلف حصوں میں جس طرح خواتین و حضرات نے ہمارے اجتماعات میں بھرپور شرکت کی وہ سب کچھ اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ رائے عامہ کسی نشان راہ بتانے والے کے لیے ترس رہی ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ پاکستان کے باشعور اور مخلص عوام کی اکثریت ایک مخلص، مجاہد اور پاک دامن قیادت چاہتی ہے جو دستور کی ان تمام دفعات کے ذریعے ان کی قسمت بدل دے۔

ہماری اس بات کے جواب میں بعض لوگ یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ آپ اگر اتنی بڑی عوامی قوت ہیں تو پھر یہ قوت انتخابی نتائج میں ظاہر کیوں نہیں ہوتی؟ ہم ان سے یہ کہتے ہیں کہ آپ ایک سوال ان لوگوں سے بھی پوچھیں جو پارلیمنٹ میں بڑے بڑے گروپ ہونے کے دعویدار ہیں، جو اس غرور میں مبتلا ہیں کہ عوام نے انھیں مینڈیٹ دیا ہے اور وہ عوام کے محبوب رہنما ہیں۔ ان سے پوچھیں کہ جب کوئی طاقت انھیں کان سے پکڑ کر حکومت اور اسمبلی سے باہر چلتا کرتی ہے تو عوام میں خوشی کی لہر کیوں دوڑ جاتی ہے؟ وہ مٹھائیاں کیوں بانٹتے ہیں کہ انھیں ایک مصیبت اور بوجھ سے چھٹکارا مل گیا؟

اس کا سبب یہ ہے کہ ہمارا موجودہ انتخابی نظام ایک ڈھونگ اور فراڈ ہے۔ ہماری پارلیمنٹ میں بیٹھے گروہ کی اکثریت عوام کے محبوب نمایندوں کی نہیں بلکہ غنڈہ گردی اور بدمعاشی کے سرپرستوں اور ظلم کے نظام کے ستونوں کی ہوتی ہے۔ ان سے عوام نفرت بھی کرتے ہیں لیکن ان سے فرار کا راستہ بھی نہیں پاتے۔ پھر انتخابات میں دوسرے سارے ہتھکنڈے آڑے آتے ہیں جن میں بوگس ووٹنگ، جعلی شناختی کارڈ، شناختی کارڈ چرانا، ووٹ خریدنا، سمگلنگ و منشیات کا سرمایہ، انتظامیہ کی ملی بھگت و جانب داری، جاگیرداری و نوابی نظام...... ہمارے ہاں منصفانہ انتخابات ہوتے ہی کب ہیں کہ عوام کے حقیقی نمایندے ایوان میں پہنچیں۔ جب تک اس پورے نظام کی اصلاح نہ کی جائے اس وقت تک انتخابی عمل میں شریک ہونا اپنا سر شکنجے میں دینے کے مترادف ہے۔

ملک بھر میں جاگیرداروں اور سرمایہ داروں نے اپنے اپنے راجواڑے بنا رکھے ہیں۔ ان راجواڑوں کو توڑنے کا ایک طریقہ متناسب نمایندگی ہے۔ اس طریقہ انتخاب کو نافذ کرنے اور ان دستوری دفعات کے نفاذ کے لیے کہ جن سے امیدواروں کا ایک معیار قائم ہو، ایک بھرپور عوامی تحریک کی ضرورت ہے۔

یہ پرعزم اور پرامن جدوجہد حکمرانوں کو مجبور کر سکتی ہے کہ وہ سابق حکمرانوں میں سب کرپٹ عناصر کا بھرپور احتساب کریں۔ جو عناصر بھی لوٹ مار میں مصروف رہے ہیں اور ان کی لوٹ مار خود حکمرانوں اور عوام کے سامنے عیاں ہے، ان کو سخت سزائیں دیں اور انھیں آیندہ کسی بھی انتخابات کے لیے نااہل قرار دیں۔ یہ جدوجہد حکمرانوں سے منوا سکتی ہے کہ آیندہ انتخابات میں تمام امیدواروں کا، امین، باکردار، فرائض کا ادا

کرنے والا، کبائر سے اجتناب کرنے والا اور اچھی شہرت کا حامل ہونا ضروری قرار دے اور اس دستوری تقاضے کو پورا نہ کر سکنے والے کسی شخص کو انتخاب میں حصہ نہ لینے دے، خواہ وہ کتنا ہی بااثر کیوں نہ ہو اور کسی بھی پارٹی سے تعلق کیوں نہ رکھتا ہو۔ ہماری تحریک حکمرانوں کو قائل کر سکتی ہے کہ ملک میں قائم انتخابی راجواڑوں کو توڑنے کے لیے متناسب نمایندگی کا بہترین حل اور ہتھیار استعمال کریں۔

اپنی پرعزم تحریک میں پرامن رہنا ہمارے تحفظ کا ضامن ہے۔ ہماری تحریک کا یہ وصف رہا ہے کہ وہ مثالی، منظم اور پرامن تھی۔ لاکھوں افراد کے اجتماع اور پولیس کی اشتعال انگیزی کے باوجود بھی نہ کوئی شیشہ ٹوٹا نہ کوئی پرائیویٹ یا سرکاری املاک تباہ ہوئیں، نہ ہمارے کارکنوں کے ہاتھوں کسی کو خراش پہنچی، لیکن ہم ظلم کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہوئے۔ اسلحے کے مقابلے میں اسلحہ اٹھانا اتنی بہادری نہیں جتنی بہادری یہ ہے کہ قوت کے مقابلے میں رائے عامہ ہموار کر کے، اللہ کے بھروسے پر، شہادت کے جذبے سے سرشار ہو کر اور جہاد کا عزم لے کر میدان میں نکلا جائے۔

ہمارے کارکنوں کو اللہ نے توفیق دی کہ وہ عوام کو ساتھ لے کر پرامن اور پرعزم تحریک چلائیں اور اللہ نے ان کو اس کا ثمر بھی دے دیا، بے نظیر ظالم حکومت سے چھٹکارا ملا۔ لیکن یہ تحریک کی اصل منزل نہیں، تحریک کا ایک مرحلہ ہے۔ عبوری حکومت اور اس کے مشکوک چہروں سے یہ توقع عبث ہے کہ وہ احتساب کریں گے، انتخابی اصلاحات کریں گے اور بدعنوان عناصر کا راستہ روک دیں گے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ہمیں اپنی تحریک کو آگے بڑھانا ہے۔ انتخابات اسی وقت مفید ہو سکتے ہیں جب وہ آئین کے مطابق ہوں۔

انتخابات میں شرکت بذات خود توسیع دعوت کا ذریعہ بنتی ہے اس لیے ہمیں اپنی پوری انتخابی تیاری کرنا ہے اور ساتھ ہی ساتھ بھرپور کوشش کرنا ہے کہ یہ انتخابات آئین کے مطابق ہوں۔ انتخابات آئین کے مطابق نہ ہوں تو اس میں شرکت دعوت کے لیے بھی نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔

بہتر نتائج حاصل کرنے کے لیے اتحاد کا راستہ دکھایا جاتا ہے۔ ایسے لوگوں سے اتحاد کرنا جو اپنے مقاصد اور کردار کے لحاظ سے کم از کم معیار مطلوب پر بھی پورے نہ اترتے ہوں، عوام میں کنفیوژن کا باعث بنتا ہے اور ہمارا صاف ستھرا پیغام لوگوں تک نہیں پہنچ پاتا۔ اس شرکت سے بھی دعوت کا مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ انتخابات میں مفاہمت و اتحاد کے لیے وہی گروہ مفید ثابت ہو سکتا ہے جو مقصد و کردار کے لحاظ سے ہمارے ساتھ ہم آہنگ ہو، جس کے پیش نظر صرف اور صرف دنیا نہ ہو، بلکہ اصل مقصد رضائے الٰہی کا حصول اور فلاح اخروی ہو۔

جماعت اسلامی کی مجلسِ شوریٰ نے دو روز کی بحث و تمحیص کے بعد جو قرارداد متفقہ طور پر منظور کی ہے، اس کا متن آپ اس شمارے میں دیکھ لیں گے۔ یہ قرارداد جماعت کی سوچی سمجھی رائے ہے کہ ہمارے

سات مطالبات کو منظور کر کے ہی انتخابی نظام میں اصلاح کی جا سکتی ہے۔

ہمیں اپنے ان مطالبات کی منظوری رائے عامہ کو اپنے ساتھ ملا کر کروانا ہے، اس لیے جماعت کے کارکنان کا فرض ہے کہ وہ پولنگ اسٹیشن کی سطح تک ہر ہر ووٹر تک جماعت کا یہ پیغام پہنچا دیں کہ ملک کو درپیش سنگین خطرات کا مقابلہ صرف اسی صورت سے کیا جا سکتا ہے کہ ملک کی باگ ڈور ایک مراعات یافتہ طبقے سے چھین کر خدا خوف لوگوں کے سپرد کی جائے۔ اس کے لیے انھیں جماعت اسلامی کی قیادت میں ایک ہمہ گیر تحریک میں شامل ہونے کی دعوت دی جائے تاکہ ملک میں موجود رشوت اور کرپشن کی بجائے نظام عدل و انصاف قائم کیا جائے۔ کارکنان اپنے اندر وسعت پیدا کریں، اپنی جماعت یا اپنے امیر کی طرف بلانے کے بجائے مشترکات کی طرف دعوت دیں اور خود کو رسول اکرمؐ کا امتی سمجھ کر پوری امت کو امتی کی حیثیت سے مجتمع کریں۔ خود کو اللہ کا بندہ سمجھ کر پوری قوم کے لیے، اللہ کے سب بندوں کے لیے محبت کا پیغام بن جائیں۔ محبت ہی کارکنان کا ہتھیار ہے۔ مخلوق خدا کے لیے اخوت و محبت کی علامت بن جایئے، اسے سمجھایئے کہ اس وقت اصل جدوجہد ظالم و مظلوم کے درمیان ہے۔ فرقہ بندیاں، پارٹیاں، زبان و نسل پرستی، برادری ازم، علاقائی عصبیت سب مخصوص مراعات یافتہ طبقے اور ان کے استعماری سرپرستوں کے ہتھکنڈے ہیں۔ اس مخصوص مراعات یافتہ طبقے کے چنگل سے خود کو نکال کر ملک کے وسائل پہ قابض محدود طبقے کے خلاف یکجا ہو جایئے، ظالمانہ شکنجوں سے ملک کو نجات دلایئے۔ مظلوموں، کسانوں، طالب علموں، کلرکوں، پنشنروں، مزدوروں، اساتذہ و وکلا، ملازمت پیشہ افراد، تاجروں، خواتین، غرض ہر طبقے کے افراد ملک میں ایک بابرکت، شاندار اسلامی انقلاب کے لیے کوشاں ہوں گے تو پاکستان ایک مثالی فلاحی مملکت بن جائے گا۔ اس بابرکت اور شاندار اسلامی انقلاب تک ہماری جدوجہد جاری رہے گی اور ان شاء اللہ جلد کامیاب ہو گی۔

ان اشارات کے ری پرنٹس تقسیم عام کے لیے۔ /۱۰۰ روپے فی سینکڑہ کے حساب سے دستیاب ہیں۔

نقد آرڈر دے کر طلب فرمایئے

منشورات منصورہ۔ ملتان روڈ، لاہور ۵۴۵۷۰ فیکس: ۷۸۳۲۱۹۴